30

ایک عام نصیحت

(فرمودہ ۲۵ر نومبر ۱۹۲۱ء)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا۔

اس سلسلہ مضمون کے متعلق جس پر میں پچھلے چند ہفتوں سے اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں۔ اور اسی تسلسل میں جو پچھلے خطبہ جمعہ میں بیان کیا گیا تھا۔ آج بھی میں کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اس دن ایک سوال تھا جو رہ گیا تھا۔ مگر اس کی تشریح کرنے سے پہلے آج بھی میں چند ضمنی باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ دنیا میں کسی قوم۔ کسی جماعت اور گروہ کے قابل ہونے اور کوئی کام کرنے کی لیاقت رکھنے کی بعض علامتیں ہوتی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔ کہ وہ جماعت یا قوم یا گروہ صحیح سیاست کو سمجھے۔ نظام اجتماعی کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے۔ ان کا علم رکھے۔ اس لفظ (نظام اجتماعی) کو بہت لوگ نہ سمجھتے ہونگے۔ اس لئے یہ کہو کہ اکٹھے مل کر رہنے اور کام کرنے کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے۔ جب تک جماعت کے افراد ان کو نہ سمجھتے ہوں۔ اور سمجھنے کے یہ معنی نہیں کہ جب ان کو سمجھایا جائے۔ تو سمجھیں۔ بلکہ یہ ہیں کہ موقع اور محل کے مناسب ان باتوں کے متعلق خود ان کے اندر ایسی طاقت ہو۔ ایسی قوت اور سمجھ ہو کہ جسے استعمال کر سکیں۔ اس وقت تک کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے۔ اور وہ اس موقع پر صحیح طور پر منطبق ہوتا ہے۔ اس لئے سناتا ہوں۔ کہتے ہیں ان کے پاس تصوف کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ایک شخص آیا۔ اور پڑھتا رہا۔ ان کا نمونہ دیکھ کر سبق حاصل کرتا رہا۔ جب اس نے بہت علم حاصل کر لیا تو چاہا کہ واپس وطن جائے اور جا کر دوسروں کو یہ علم سکھائے۔ بزرگ نے اس سے سوال کیا تم واپس تو جانے لگے ہو۔ مگر یہ تو بتاؤ تمہارے ملک میں شیطان ہوتا ہے یا نہیں؟ اس نے کہا۔ حضور شیطان کہاں نہیں ہوتا۔ ہر جگہ ہوتا ہے اور وہاں بھی ہے۔ انہوں نے پوچھا۔ اگر وہاں بھی ہوتا ہے تو تمہارا مقابلہ کرے گا یا نہیں؟ اس

نے کہا حضور کرے گا انہوں نے کہا۔ پھر یہ بتاؤ۔ جب تم خدا کا قرب حاصل کرنے اور لوگوں کو ہدایت کی طرف لانے کی کوشش کرو گے۔ اور شیطان تمہارا مقابلہ کرے گا۔ تو تم کیا کرو گے؟ اس نے کہا میں اس سے لڑوں گا۔ انہوں نے کہا اچھا تم اس سے لڑو گے اسے ہٹا دو گے اور دور کر دو گے مگر پھر جب تم نے خدا کی طرف توجہ کی وہ پھر آجائے گا۔ پھر کیا کرو گے؟ اس نے کہا۔ پھر دھتکار دوں گا۔ انہوں نے کہا اس پر وہ چلا گیا۔ لیکن جب تم توجہ کرنے لگے۔ پھر آگیا؟

شیطان چونکہ کتا یا کوئی اور جانور نہیں۔ جس کے متعلق وہ یہ کہہ سکتا کہ مار ڈالوں گا اس لئے وہ یہی کہہ سکتا تھا کہ بھگا دوں گا اور بزرگ کہتے۔ وہ پھر آجائے گا۔ اس پر وہ حیران ہو گیا۔ بزرگ نے کہا اچھا میں ایک اور بات پوچھتا ہوں۔ اور یہ کہ تمہارا ایک دوست ہے۔ جس نے اپنی حفاظت کے لئے ایک کتا پالا ہوا ہے۔ تم اس سے ملنے کے لئے گئے۔ لیکن کتے نے تمہیں روک دیا اس وقت کیا کرو گے؟ اس نے کہا کہ میں کتے کو مار کر ہٹاؤں گا۔ انہوں نے کہا وہ پھر آجائے گا۔ دوست کا کتا ہونے کی وجہ سے وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ کہ مار ڈالوں گا۔ اس لئے صحیح اور سچی بات کی طرف راہ نمائی ہوئی۔ اس نے کہا۔ میں دوست کو کہوں گا کہ آؤ اور اپنے کتے کو ہٹاؤ۔ اس پر بزرگ نے کہا کہ بس شیطان کے مقابلہ میں بھی تم اسی طرح کرنا۔ جب وہ بار بار تمہارے مقابلہ میں آئے تو خدا تعالیٰ کو ہی کہنا کہ خدایا آپ ہی اسے ہٹائیے کہ یہ مجھے آپ کی طرف آنے نہیں دیتا۔ تب وہ ہٹے گا۔

اس میں ایک نکتہ ہے۔ اور وہ یہ کہ کوئی انسان' کوئی قوم' کوئی جماعت' کوئی ملک' کوئی حکومت' اس وقت تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جب تک اس کے پاس اس کتے کے ہٹانے کا سامان نہ ہو۔ جو پیچھے سے اسے پکڑتا اور مقصد اور مدعا کی طرف جانے سے روکتا ہے۔

جب کوئی قوم کسی مقصد اور غرض کے لئے کھڑی ہوتی ہے اور جب کوئی حکومت کسی ملک پر چڑھائی کرتی ہے۔ تو اس کو کچھ تو سامنے سے کرنا ہوتا ہے۔ اور کچھ پیچھے سے۔ مثلاً ایک حکومت ہے جس کی کسی دوسرے ملک سے لڑائی شروع ہو گئی ہے۔ اس وقت ایک تو آگے سے اسے دشمن کا مقابلہ کرنا ہو گا۔ اور کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو اس خیال سے کہ لڑائی شروع ہونے کی وجہ سے ان پر ٹیکس لگیں گے' کہیں گے لڑائی چھوڑ دو۔ ہم نہیں لڑنا چاہتے۔ کچھ ایسی عورتیں ہوں گی جو اس وجہ سے کہ لڑائی میں ان کے بچے مریں گے۔ کہیں گی۔ لڑائی نہیں کرنی چاہیئے کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو سمجھیں گے کہ فوجیں ان کے کھیتوں میں سے گذریں گی۔ کہیں خندقیں کھودی جائیں گی۔ کہیں قلعے بنائے جائیں گے۔ کہیں کھیتیاں کاٹی جائیں گی۔ کہیں مکان اور عمارتیں گرائی جائیں گی اس لئے کہیں گے۔ ہمیں لڑائی میں پڑنے کی ضرورت نہیں گویا آگے سے تو دشمن کی تلوار چمک

رہی ہو گی۔ اور دشمن کی توپیں گرج رہی ہوں گے۔ اور پیچھے سے ایسے لوگ پکڑ پکڑ کھینچیں گے۔ اور رکاوٹیں ڈالیں گے کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں جانے دیں گے۔

ایسے موقع پر اور ایسی گھڑی میں ملک کے افراد جب تک یہ نہ جانتے ہوں گے کہ اس لڑائی کے نتیجے میں ہمیں بہت بڑا نفع حاصل ہو گا۔ بچوں کا مرنا ہمارے آزاد رہنے کا باعث ہو گا۔ اور ٹیکسوں کا لگنا لاکھوں اور کروڑوں روپے لانے کا ذریعہ ہو گا اس وقت تک دشمن کے مقابلہ میں فتح نہیں بلکہ شکست ہو گی۔ لیکن جب ملک کا ہر ایک فرد یہ سمجھتا ہو کہ یہ روپیہ ضائع نہیں جائے گا۔ بلکہ بیج ہو گا جس سے لاکھوں اور کروڑوں روپے پیدا ہوں گے یہ بچے مریں گے نہیں۔ بلکہ قوم کی کھیتی کے لئے آبیاری کا کام دیں گے۔ یہ گاؤں اور کھیتیاں برباد نہیں ہوں گی۔ بلکہ درحقیقت ملبہ ڈال کر ایک ایسا اونچا چبوترا بن رہا ہو گا جسے کوئی سیلاب نہ گرا سکے گا۔ تب فتح ہو گی۔ کیونکہ اس وقت ہر ایک کھڑا ہو جائے گا۔ اور جو کوئی اس کے خلاف کوئی بات کہے گا۔ اس کو گرا دے گا۔ اس وقت حکومت کو ضرورت نہ ہو گی کہ پیچھے سے کھینچنے والوں کی طرف توجہ کرے۔ کیونکہ دوسرے لوگ خود اس کام کو سنبھال لیں گے اور حکومت کو کہیں گے جاؤ تم جا کر دشمن کا مقابلہ کرو ہم ان لوگوں کا انتظام خود کر لیں گے۔ تب حکومت کی توجہ نہ بٹے گی۔ اور وہ دشمن کو شکست دینے میں کامیاب ہو سکے گی۔

پس وہ قوم اور وہ جماعت جس کے افراد میں یہ عقل اور یہ سمجھ نہ ہو کہ سیاست کو سمجھ سکیں۔ وہ کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس لئے پہلے تو میں عام نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے اندر ایسی عقل اور سمجھ پیدا کرو کہ تمہارے دماغ بے عقلی اور جہالت کی طرف متوجہ نہ ہوں بلکہ اپنے دماغ اور عقل کو نیک باتوں کی طرف لگاؤ۔ جس قوم نے ترقی کرنی ہوتی ہے۔ اس کے افراد ایسے نہیں ہوتے کہ ہر ایک چھوٹی سے چھوٹی بات انہیں سمجھائی جائے۔ تب ہی وہ سمجھیں۔ بلکہ ان کے اندر ایسا مادہ ہوتا ہے کہ خود بخود ایسی باتوں کو سمجھ لیتے اور ان کے مطابق اپنا طرز عمل بنا لیتے ہیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں۔ جن میں یہ مادہ نہیں ہے۔ "بہت سے" سے مراد اکثر نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے جب میں نے اسی قسم کا فقرہ کہا تھا۔ تو دشمنوں نے اس سے اکثر لوگ سمجھ لئے۔ اور سلسلہ کے مسلمہ مخالف (ثناء اللہ) نے اس پر پھبتیاں اڑائیں۔ پس اکثر اور ہے۔ اور بہت اور ان میں بڑا فرق ہے۔ تو بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جن میں اتنی عقل و خرد نہیں ہوتی۔ کہ بات کو صحیح طور پر سمجھیں۔ بلکہ وہ ہر بات سے الٹا نتیجہ نکال کر اپنی بھی عقل مارتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی تنگ کرتے ہیں۔

ان باتوں میں سے ایک بات جس پر سلسلہ خطبات شروع ہے۔ یہ ہے کہ جو کام اس وقت ہو رہا ہے۔ اس کا بوجھ موجودہ حالات میں جماعت کی برداشت سے باہر ہے۔ اس وجہ سے مالی بجٹ

میں کارکنان کو بہت سی تخفیف کرنی پڑی۔ اور بعض کو الگ کیا گیا۔ کئی تو ہٹائے گئے۔ اور بعضوں کی تنخواہوں میں کمی کی گئی۔ اور بعض اور اخرجات کم کردئے گئے۔ اس کے متعلق جو کچھ ہوا۔ پہلے اپنے اپنے صیغوں نے کیا۔ پھر میرے پاس لائے۔ اور میں نے کئی دن لگا کر اخراجات میں اور بھی کمی کی۔ جو کم از کم تیس چالیس ہزار کے قریب ہوگی۔ اور اس طرح ایسی صورت پیدا کی۔ کہ جو موجودہ آمد ہے۔ اس سے پچھلے مشکلات ایک دو سال میں رفع کئے جا سکیں۔

یہ تخفیف جو پہلے یا میرے سامنے ہوئی ایک اصل کے ماتحت کی گئی۔ پہلے تو یہ تجویز کی گئی کہ قحط الاؤنس اڑا دیا جائے۔ یا کوئی اور ایسی تجویز کی جائے جس سے سب کی تنخواہوں پر اثر پڑے۔ لیکن میں نے کہا یہ طریق غلط ہے۔ جن کو تھوڑی تنخواہ ملتی ہے ان کی تنخواہ میں کمی کرنے سے ان کا گذارہ نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ وہ بمشکل ضروریات زندگی مہیا کررہے ہیں۔ لیکن بڑی تنخواہوں والے کچھ ایسے بھی اخراجات رکھتے ہیں۔ جن میں کمی کی جا سکتی ہے۔ اس لئے سب کی تنخواہ کم نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ صرف ان کی کم کرنی چاہیئے۔ جن کا کھانے اور کپڑوں کے علاوہ اور چیزوں پر خرچ ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیں ان کی تنخواہوں پر ہاتھ صاف کرنا چاہیئے۔ چنانچہ سو سے اوپر تنخواہ رکھنے والوں کی ۲۰ فیصد اور سو سے ساٹھ تنخواہ والوں کی ۱۵ فیصد تنخواہ کم کردی گئی۔

جب یہ فیصلہ ہوا۔ تو صیغہ جات نظارت والے سب موجود تھے۔ میں نے انہیں کہا تم کو اگر یہ منظور ہے۔ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ ورنہ ہم ان کو رکھ سکتے ہیں۔ جو اس تجویز کے ماتحت رہیں۔ اور جو نہ رہنا چاہئیں وہ ہماری طرف سے آزاد ہیں۔ ہمیں ان پر کوئی گلہ نہیں ہوگا۔ لیکن ان لوگوں نے نہایت خوشی اور پرجوش طور پر اس تجویز کو قبول اور منظور کرلیا۔ اور کہا بے شک ہماری تنخواہوں کو کاٹ لیا جائے۔ بلکہ میں نے تو یہاں تک نمونہ دیکھا کہ ایک شخص کی تنخواہ ۶۲ یا اس کے قریب قریب تھی۔ اس کو کہا گیا۔ کہ تمہاری تنخواہ پر اس تجویز کا اثر نہیں ہوگا۔ اس نے کہا کیوں نہیں ضرور ہونا چاہیئے۔

اس کے بعد صدر انجمن کے کارکن آئے۔ ان کو میں نے لکھ کر تحریر دی کہ جو اس کے مطابق کام کرنا چاہیں کریں۔ اور جو نہیں کرنا چاہتے ان کو بھی ہم مجبور سمجھتے ہیں۔ ہماری حالت یہ ہے۔ اس کے مطابق جو کام کرنا چاہیں کریں۔

تو ایک یہ بات تجویز کی گئی۔ کہ جو تھوڑی تنخواہ لینے والے ہیں۔ ان کی تنخواہوں میں کمی نہ کی جائے اور دوسری یہ کہ جن کی تنخواہ زیادہ ہے ان کی کم کی جائے۔ اور تیسری یہ کہ ایسے ملازم (یہ لفظ پہلے استعمال کی وجہ سے غلطی سے نکل گیا ہے) ایسے کارکن کہ جن کے بغیر کام چل سکتا ہے ان کو ہٹا دیا جائے۔ اور ان کا کام دوسروں پر ڈال دیا جائے۔ اس تجویز کے ماتحت کچھ کام کرنے والے

ہٹائے گئے اور بڑی تنخواہوں والوں کی تنخواہیں کم کی گئیں۔ اب بجائے اس کے کہ وہ لوگ جنہوں نے یہ قبول کیا کہ ان کی تنخواہیں ۲۰ فیصد اور ۱۵ فیصد کاٹ لی جائیں دوسرے انہیں شکر اور امتنان کی نظر سے دیکھتے کہ انہوں نے خوشی سے دین کے لئے قربانی دی ہے۔ یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ تھوڑی تنخواہ والوں کو تو علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ اور بڑی تنخواہ والوں کو رکھ لیا گیا ہے۔

جن لوگوں کے دل میں یہ خیال آیا ہے۔ میں ان کو بتانا چاہتا ہوں۔ کہ ان کا یہ خیال کیسا پاگلانہ ہے۔ فرض کرلو۔ ایک ایسی گارڈ ہو جس میں سو سپاہی اور ایک افسر ہو۔ ان کے متعلق فیصلہ کیا جائے۔ کہ کچھ سپاہی کم کر دئے جائیں' اس پر کوئی کہے۔ یہ تو بڑا ظلم کیا گیا ہے۔ کہ تھوڑی تھوڑی تنخواہ والے دس سپاہی علیحدہ کر دئے گئے ہیں۔ اور ایک افسر پانچ سو تنخواہ لینے والا علیحدہ نہ کیا تو یہ کیسی جہالت کی بات ہو گی۔ کیونکہ اگر افسر علیحدہ کر دیا جائے تو سپاہی لڑیں گے کس طرح؟ اسی بات کو مد نظر رکھ کر دیکھ لو۔ مثلاً دفتر امور عامہ ہے۔ جس میں دو کارکن اور ایک ان کا افسر ہے۔ اب اگر افسر ایک کارکن کا کام بھی اپنے ذمہ لے لے۔ تو ایک کارکن کو ہٹایا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ افسر کو ہٹا دیا جائے۔ وہ دونوں کام کرلیں گے۔ اس طرح کام نہیں چلے گا۔

یا مثلاً زمیندار ایک نوکر رکھے جو ہل چلائے۔ اور چار بیل رکھے (چونکہ زمینداروں کو بھی سلسلہ کی باتوں سے تعلق ہے۔ اس لئے ان کے گھر کی مثال پیش کرتا ہوں۔ تاکہ وہ سمجھ سکیں کہ اعتراض کرنے والے کیسے جاہل ہیں) نوکر کی حیثیت افسر کی سمجھ لو۔ اور بیلوں کے ماتحت کام کرنے والوں کی۔ اس پر ایسے حالات پیدا ہو جائیں۔ کہ زمیندار اخراجات کی تنگی کی وجہ سے ان کا خرچ نہ برداشت کر سکے۔ اب وہ ایک یا دو بیلوں کو ہٹا لے گا۔ یا کامے (ملازم) کو اگر کامے کو ہٹائے گا تو کیا بیل آپ ہی آپ ہل چلائیں گے۔ وہ ایک دو بلکہ ضرورت مجبور کرے گی۔ تو تین بیلوں کو بھی ہٹا دے گا۔ لیکن ایک کاماں ضرور رکھے گا۔ کیونکہ چار بیل بھی اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔

تو اس سے زیادہ پاگلانہ اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ افسروں کو کیوں نہیں ہٹایا گیا۔ اور ماتحت کام کرنے والوں کو ہٹا دیا گیا............... اور یہ محض اس لئے کہا گیا۔ کہ ان کے قلب ایسے ہو گئے ہیں کہ وہ محض اعتراض کرنے کے لئے اعتراض کرتے ہیں۔ نہ کہ اصلاح کی غرض سے۔ اگر افسر کو الگ کر دیا جائے۔ تو کام کس طرح چل سکتا ہے۔ ایک گھر کا ایک کماؤ ہوتا ہے اور اس سے نیچے اس کے بال بچے ان میں سے کونسا مر جائے تو پیچھے گھر میں امن قائم رہ سکتا اور ابتری نہیں پھیل سکتی۔ باپ یا دس بارہ بچے جنہیں وہ پال رہا ہوتا ہے۔ یا ماں جو اس کی نگرانی کرتی ہے وہ مر جائے تو فتنہ نہیں پڑتا۔ اگر آٹھ یا دس بچے بھی مر جائیں۔ لیکن ایک کام کرنے والا باپ زندہ رہے۔ یا ایک نگرانی کرنے والی ماں موجود رہے۔ تو وہ ابتری نہیں پڑے گی جو ایک باپ یا ماں کے مرنے اور

سارے بچوں کے زندہ رہنے سے پڑتی ہے۔ اسی طرح افسر کے ہٹانے کے معنی ہوں گے۔ کہ سارا کام خراب کر دیا جائے۔ ایک ہیڈ ماسٹر جس کے ماتحت دس بارہ مدرس کام کرتے ہیں اس کو ہٹانا مناسب ہوگا۔ کہ اس کی تنخواہ زیادہ ہے یا مدرسوں میں سے کچھ الگ کر دینے مناسب ہوں گے۔ جن کی تنخواہ کم ہوگی۔ اگر ہیڈ ماسٹر کو ہٹایا جائے گا۔ تو اس کا کام دوسروں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور کام چلتا رہے گا۔

اسی طرح تخفیف کا سوال اٹھے گا۔ تو ضلع کے ڈپٹی کو ہٹایا جائے گا اس کے ماتحت جو چار پانچ تحصیل دار کام کر رہے ہوں گے ان میں کمی کی جائے گی۔ یا تخفیف کی ضرورت کے ماتحت تھانے داروں میں سے بعض کو۔ انسپکٹر ہٹا دیا گیا تو کام کس طرح چلے گا۔ اور تھانے داروں سے کام کون لے گا۔ اسی طرح اگر ڈپٹی نہ رہا۔ تو تحصیل داروں سے کام کون کرائے گا۔ ہر ایک اپنی اپنی رائے کے ماتحت کام کرے گا۔ اور اس طرح کام میں ابتری پڑ جائے گی۔

تو یہ اعتراض جو کیا گیا ہے۔ سخت جاہلانہ اعتراض ہے اور میرے نزدیک اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ جس قلب میں یہ اعتراض پیدا ہو رہے ہیں۔ اس سے نیکی اور صداقت مٹ گئی ہے۔ کیونکہ جہاں یہ موجود ہوتی ہے۔ وہاں ایسا غلط اور نا درست قدم نہیں اٹھایا جاتا۔ وہاں بات کرنے سے پہلے سوچ لیا جاتا ہے۔ اور کہنے سے قبل اپنے دل پر قابو پا لیا جاتا ہے۔ اور دیکھ لیا جاتا ہے کہ کیا کہنے لگا ہوں۔

جن آدمیوں کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی ہے۔ اور دو نے تو مجھ تک یہ بات پہنچائی ہے۔ وہ ایک پنجابی مثل کے مطابق ہے کہ جس بات پر بیٹے کی بیوی کو گالیاں دینی ہوتی ہیں۔ وہ اپنی بیٹی کی طرف منسوب کر کے اسے گالیاں دی جاتی ہیں۔ اور چونکہ وہ کام اس نے نہیں کیا ہوتا۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو اس بارے میں مخاطب نہیں سمجھتی۔ اور اس طرح اس کو آگے رکھ کر بیٹے کی بیوی کو گالیاں نکالی جاتی ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ دوسروں کے نام لیکر کہ انجمن نے یا نظارتوں نے فلاں بے وقوفی کی بات کی ہے۔ مجھے بے وقوف بناتے ہیں۔ کیونکہ کام میں نے کیا ہوتا ہے۔ اس لئے جو کچھ وہ دوسروں کا نام لیکر کہتا ہے۔ مجھے ہی کہتا ہے۔ میں یہ نہیں کر سکتا۔ کہ کام تو خود کروں اور ذمے دوسروں کے لگادوں کیونکہ غدار نہیں ہوں۔ جو کام میں نے کیا۔ میں اس کی ذمہ داری سے بری نہیں ہوتا۔ اس لئے میں یہی کہہ سکتا ہوں۔ کہ اگر یہ کوئی غلطی ہوئی ہے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ اور اگر درست اور مناسب بات ہوئی ہے۔ تو بھی میں ایک حد تک اس کا ذمہ دار ہوں۔ مگر میں نے بتایا ہے کہ یہ اعتراض کسی طرح بھی ٹھیک نہیں ہے۔

خدا تعالیٰ بھی جب تخفیف کرنے پر آتا ہے۔ اور جب زمین پودوں کے لئے پوری غذا مہیا نہیں

کر سکتی۔ تو درختوں کے پتے گرا دیتا ہے۔ کیا کسی نے دیکھا ہے۔ کہ ایسے موقع پر جڑ کو اکھاڑ دیا جاتا ہے۔ نہیں اس وقت شاخوں پر ہی تخفیف کا اثر ہوتا ہے۔ اور جڑ کو اسی وقت کاٹا جاتا ہے۔ جب درخت کو اکھیڑ پھینکنا ضروری ہوتا ہے۔ ہم ہر سال درختوں کے متعلق خداتعالیٰ کی تخفیف دیکھتے ہیں۔ ایک موسم آتا ہے۔ جبکہ زمین پوری غذا مہیا نہیں کر سکتی۔ اور دوسرے درختوں کو خوراک دینی ہوتی ہے۔ اس وقت کئی درختوں کے پتے کم کر دئے جاتے ہیں۔ مثلاً سنگترے کو پتے دینے کی ضرورت ہے تو آم کے پتوں میں تخفیف کر دی جائے گی۔ کہ وہ پتے جھاڑ دے۔ اور سنگترہ نکال لے۔ خداتعالیٰ اس وقت جڑ سے نہیں اکھیڑ دیتا۔ جڑ سے اسی وقت اکھیڑتا ہے۔ جب وہ چیز قائم رہنے کے قابل نہیں رہتی۔

تو تخفیف کا اثر فرع پر پڑتا ہے۔ اصل پر نہیں پڑا کرتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔ کہ جب لڑائی ہوتی ہے۔ تو کوئی یہ نہیں کہتا۔ کہ جرنیل اتنی بڑی تنخواہ لیتا رہا ہے۔ اس کا بہت سا روپیہ بینک میں جمع ہے۔ سپاہی مر گیا۔ تو اس کے بال بچوں کو کون پالے گا۔ اس لئے جرنیل کو آگے کر کے مرواؤ۔ سب یہی کہیں گے۔ کہ سپاہیوں کو آگے کرو۔ کیوں۔ اس لئے کہ جرنیل کے مرنے سے سارے سپاہی مارے جائیں گے۔ اور سب کی تخفیف ہو جائے گی۔ مگر سپاہی کے مرنے سے ملک نہیں مرتا۔ بلکہ زندہ ہوتا ہے۔

پس یہ ایسی موٹی بات ہے۔ کہ فطرتاً" اور عقلاً" بآسانی معلوم ہو سکتی ہے۔ مگر ایسے لوگ جو اس پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے کوئی کس طرح معاملہ کرے۔ جن کی عقل ایسی کند ہے کہ معمولی معمولی اور موٹی موٹی باتیں جو انہیں گھروں میں پیش آتی ہیں۔ روزانہ کاروبار میں دیکھتے ہیں۔ اور خدا کے قانون میں پائی جاتی ہیں۔ ان پر ٹھیک طور سے حاوی نہیں ہوتے۔ دیکھو۔ اگر گھر کے اخراجات میں تخفیف کا خیال پیدا ہو۔ تو کیا روٹی کی تخفیف کی جائے گی۔ جس پر دس بارہ۔ پندرہ بیس روپیہ ماہوار لگتے ہیں۔ یا ایک ریشمی رومال جو چار پانچ روپیہ کو خریدا جاتا تھا۔ بات یہ ہے کہ تخفیف کے لئے صرف قلیل اور کثیر خرچ کو نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے۔ کہ اس خرچ کو ہٹا کر کام کس طرح چلایا جائے گا۔ اور آیا کام خراب تو نہیں ہو جائے گا۔ ایک تو یہ بات ہے۔ جو میں کہنا چاہتا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک شخص نے مجھے لکھا ہے۔ کہ "افسران کو متنبہ کر دو۔ کہ ان کا معاملہ ماتحتوں سے ٹھیک نہیں ہے۔ ورنہ تمہارے ان خطبات کے اثر سے ڈر کر اس وقت لوگ چپ تو ہو جائیں گے۔ لیکن چار پانچ ماہ بعد دیکھنا کیا نتیجہ نکلے گا"۔ اس نے تو چار پانچ ماہ کا عرصہ بتایا ہے۔ لیکن میں آج ہی بتاتا ہوں۔ کہ کیا ہو گا۔ مجھے کسی دنیاوی حکومت نے کھڑا نہیں کیا۔ اور نہ

کوئی ایسی حکومت ہے۔ جو مجھے ہٹا سکے۔ ہمارے بادشاہ جارج پنجم ہیں۔ میں ان کا ادب کرتا ہوں۔ لیکن باوجود اس کے کہتا ہوں کہ بادشاہ معظم نہیں دنیا کے سارے بادشاہ بھی مل کر مجھے اس منصب سے ہٹانا چاہیں تو نہیں ہٹا سکتے۔ کیونکہ مجھے اس پر کسی انسانی طاقت نے کھڑا نہیں کیا۔ بلکہ خدا نے کھڑا کیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں انسانوں کے منصوبے کچھ نہیں کر سکتے۔

بڑے بڑے صنادید کیا کر سکے۔ مولوی محمد علی صاحب صدر انجمن کے سیکرٹری تھے مولوی صدرالدین ہیڈ ماسٹر تھے۔ خواجہ صاحب بڑے لیکچرار سمجھے جاتے تھے۔ اور جماعت کا ان پر بہت بڑا انحصار خیال کیا جاتا تھا۔ یہ اور ان کے ساتھی سارے کاموں پر حاوی تھے ان کے مقابلہ میں وہ تھا جسے انہوں نے ہمیشہ کوشش کر کے کاموں سے علیحدہ رکھا۔ جس کی عمر ایسی عمر نہ تھی کہ بڑی عمر والے اس کے سامنے ادب سے بات کرتے۔ جس کا علم کوئی ایسا علم نہ تھا کہ دنیاوی طور پر عالموں کو کچھ سکھا پڑھا سکتا۔ جس کی عقل و خرد کا کوئی ایسا نمونہ نہیں دیکھا گیا تھا۔ جس کا خاص اثر ہوتا۔ اور جس کا خاندانی لحاظ سے اثر چھ سال پہلے مٹ چکا تھا۔ کیونکہ اگر خاندانی اثر کا لحاظ کیا تھا۔ تو محمود خلیفہ بنتا۔ نوردین نہ بنتا۔ ان حالات کے باوجود جب وہ سارے کے سارے مقابلہ پر کھڑے ہو گئے۔ تو انہوں نے کیا بنا لیا۔ کچھ حاصل نہیں کیا۔ بلکہ کھویا ہی ہے۔ آج سے ساٹھ سال پہلے جماعت میں ان کی جو عزت تھی۔ کیا اب بھی ہے۔ کس زور سے انہوں نے اعلان کیا تھا کہ ۹۹ فیصدی لوگ ان کے ساتھ ہیں۔ لیکن کس صفائی کے ساتھ ان کا یہ اعلان باطل ہوا۔ تو یہ خدا تعالیٰ کے قبضہ میں بات ہے۔ جب تک وہ سمجھے گا کہ یہ انتظام سلسلہ کے لئے مفید ہے اس وقت تک اسے چلائے گا۔ اور جب سمجھے گا یہ مفید نہیں تو ایسی مخفی صورتیں پیدا کر دے گا۔ جن کا کسی کو پتہ بھی نہیں۔ اور یہ مٹ جائے گا۔ ان صورتوں کا آج علم نہیں ہو سکتا۔

مگر میں نے تو اپنے پہلے خطبوں میں بتایا ہے کہ لوگوں کو چاہیئے کہ صفائی سے کہہ دیں کہ کس کے لئے یہاں رہتے ہیں۔ خدا اور رسول اور ان کے خلفاء سے ان کا تعلق ہے یا ملازمت کرنے سے۔ جب یہ کہدیا گیا۔ تو پھر جو ایسا منافق طبع انسان ہے۔ جو مال و دولت کے لئے۔ ملازمت کے لئے۔ ہیڈ ماسٹر یا منیجر سکول کے لئے یہاں رہتا ہے۔ وہ کیا کر سکتا ہے۔ کیا منافق بھی کبھی مومن کے مقابلہ میں جیتا کرتا ہے۔ اگر یہاں کوئی دل میں شکوہ و شکایت رکھ کے رہتا ہے تو وہ منافق ہے اور منافق خواہ لاکھ بھی ہوں کچھ نہیں کر سکتے۔ پہلے منافقوں نے کیا کر لیا تھا کہ اب کوئی کر لے گا۔ منافق کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اول تو اسے ظاہری کامیابی بھی کم ملتی ہے اور اگر مل جائے تو بہت ہی جلدی ذلیل ہو کر گر جاتا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ جسے عام لوگ سمجھے نہیں۔ مگر مجھے خدا تعالیٰ نے خاص

طور پر سمجھایا ہے۔ اس وقت اس پر بحث کی ضرورت نہیں مگر اتنا بتاتا ہوں۔ ایک صحابی کہتے ہیں۔ اس فتنہ میں شامل ہونے والوں میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا۔ جو تلوار سے نہ مارا گیا ہو۔ سینکڑوں ہی تھے۔ جو اس فتنہ کے بعد دس' بیس' تیس سال تک جیے۔ لیکن جب بھی مرے۔ تلوار سے مرے۔ آخری آدمی کی نسبت ایک صحابی کہتا ہے کہ وہ اندھا ہو کر سوال کرتا پھرتا تھا۔ اس حالت میں بھی خدا نے اس کے لئے یہی رکھا تھا کہ تلوار سے مارا جائے۔ وہ سوال کرتے کرتے ایک دن حجاج کے سامنے آگیا۔ اس نے پوچھا یہ کون ہے؟ بتایا گیا یہ بھی اس فتنہ میں شامل تھا۔ اس نے کہا اسے لے آؤ۔ اس کا صدقہ کریں۔ اور تلوار سے اسے مار دیا گیا۔

پس یہ مت سمجھو کہ میں کسی خفیہ منصوبہ یا کوشش سے ڈر سکتا ہوں اور میں نے سب کارکنوں کو بتایا ہے کہ ان کا دل بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ جیسا اس کا ہے۔ جس کے ساتھ ہو کر انہوں نے کام کرنا ہے۔ اور میرا دل ایسا ہے۔ جو کسی سے نہیں ڈرتا۔ میں خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ اور ڈر کا لفظ بھی اس حقیقت کو بیان نہیں کر سکتا۔ جو خدا تعالیٰ کے متعلق اپنے اندر رکھتا ہوں۔ لیکن اور کسی سے مجھے کوئی ڈر نہیں۔ اور میری ہدایات کے ماتحت کام کرنے والوں کو بھی چاہیئے کہ وہ بھی نہ ڈریں۔ وہ دیانت اور امانت سے صداقت کو مدنظر رکھتے ہوئے خدا تعالیٰ کے لئے کام کریں۔ اور کسی سے نہ ڈریں وہ یقیناً کامیاب ہونگے اگر خدا تعالیٰ کی رضا ان کے مدنظر ہوگی۔ اور اگر یہ نہ ہوگی تو دنیا کو ان کے مقابلہ میں اٹھنے کی ضرورت نہیں۔ خدا تعالیٰ خود انہیں تباہ کر دے گا۔ جو اس کا نام لیکر فتنہ و فساد پھیلائیں گے اور دوسروں کے حقوق کی پروا نہ کریں گے۔

یہ بات بیان کرنے کے بعد میں اس سوال کی طرف آتا ہوں جو گذشتہ خطبہ جمعہ کے متعلق باقی رہ گیا تھا۔ میں نے بتایا تھا کہ کامیاب ہونے والی جماعت کے لئے قناعت پیدا کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اسی کے ذریعہ امن قائم ہو سکتا ہے۔ اس کو مٹا دو۔ تو فساد اور فتنہ پھیل جائے گا۔

میں نے بتایا تھا کہ یورپ میں چونکہ قناعت نہیں۔ اس لئے فساد برپا ہے وہاں کے غریب کی حالت یہاں کے امیر کی حالت سے بہت اچھی ہے۔ وہاں ایک مزدور کو چار سو کے قریب تنخواہ ملتی ہے جو یہاں ڈپٹی کو بھی نہیں ملتی۔ اور اب تو نہیں۔ لیکن پچھلے دنوں ڈپٹی بننا ایک معراج سمجھا جاتا تھا۔ وہاں کی مالی حالت یہاں کی نسبت بہت اچھی ہے۔ مگر باوجود اس کے ان لوگوں میں اطمینان نہیں۔ اور لڑائی جھگڑے ہو رہے ہیں کہ ہم بھوکے مر گئے۔ مگر وہ اس لئے نہیں مر رہے کہ ان کے پاس مال نہیں۔ بلکہ اس لئے مر رہے ہیں کہ ان کے دل مر گئے۔ امیر و غریب نوکر و آقا افسر و ماتحت سب یہی کہتے ہیں کہ مر گئے۔ لیکن وہ باہر سے نہیں مرے۔ ان کا دل مر گیا ہے۔

میں نے بتایا تھا کے بے اطمینانی کی رو مٹانے کے لئے قناعت ضروری ہے۔ اور اس کے لئے

ضروری ہے کہ "سوال" کرنا مٹا دیا جائے۔ کیونکہ یہی بے اطمینانی پیدا کرنے اور قناعت نہ رہنے دینے کا بہت بڑا موجب ہے۔

یہی وجہ ہے۔ کہ اسلام نے سوال کرنے سے منع کیا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے برا منایا ہے۔۲۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو بہت ہی برا سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے ایک سوال کرنے والے کی تھیلی چھین لی۔ اور اس لئے مارا کہ وہ سوال کرتا پھرتا ہے۔ تو سوال کرنے کو اسلام نے بہت حقیر اور ذلیل فعل قرار دیا ہے۔۳۔

درحقیقت سوال کرنے سے انسان میں ایسی دنائت آجاتی ہے کہ جس کی وجہ سے بہت کمینگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے میں نے بتایا تھا کہ قناعت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سوال کی عادت کو مٹایا جائے۔ کیونکہ جب لوگ دیکھتے ہیں کہ وہ شخص جس نے کام کچھ نہیں کیا ہوتا۔ سوال کر کے کچھ حاصل کر لیتا یا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ کہتے ہیں۔ ہم جو کام کرتے ہیں ہم کیوں سوال نہ کریں۔ اس وجہ سے وہ یہی کہہ دیتے ہیں کہ تنخواہ بڑھادو۔ اور یہ بات بھول جاتے ہیں کہ وہ تو خدا کے لئے کام کر رہے ہیں۔ اور انکو تنخواہ نہیں مل رہی۔ بلکہ گذارہ مل رہا ہے۔ تو ایک سوال کرنے والے کو دیکھ کر دوسرے کو بھی اس کی جرأت اور تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اس کی مثال دیکھئے۔ ایک بچہ جب پیسہ مانگے۔ تو دوسرا بھی مانگنے لگ جاتا ہے۔ چاہے اسے ضرورت نہ ہی ہو۔ اور یہاں تک ہوتا ہے کہ چھوٹا بچہ بھی جب بڑے بھائی کو مانگتے دیکھتا ہے۔ تو وہ بھی ہاتھ پھیلا دیتا ہے۔ حالانکہ وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ پیسہ کیا ہوتا ہے اور اسے کیا کرنا ہے۔ اسی طرح سوال کرنے والوں کو دیکھ کر دوسروں کو بھی سوال کرنے کی جرات ہوتی ہے۔ اس لئے سوال کا مٹانا ضروری ہے۔

مگر سوال کرنا کس طرح مٹ سکتا ہے؟ یہ بھی ایک سوال ہے۔ جس پر غور کرنا ضروری ہے۔ اس کے متعلق یا تو یہ کہدیا جائے کہ سوال کبھی نہیں کرنا۔ مگر یہ وہی کہہ سکتے ہیں۔ جو اس درجہ پر پہنچے ہوئے ہوں۔ کہ خدا ہی دے گا تو کھائیں گے۔ ورنہ بھوکے مر جائیں گے۔ لیکن نہ تو تمام لوگ اس درجہ کے ہو سکتے ہیں۔ اور نہ لاکھوں کی جماعت سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ ایسا کرے گی۔ اس لئے یہ کہنا کہ سوال نہیں کرنا چاہیئے۔ کافی نہیں ہو سکتا۔ اگر دنیا میں سارے کے سارے لوگ ولی اللہ ہوتے یا فرشتے بستے۔ تو ہم انہیں اتنا ہی کہنا کافی سمجھتے۔ کہ سوال نہ کرو۔ اور کوئی نہ کرتا۔ مگر دنیا میں تو غریب بھی ہیں۔ اور امیر بھی۔ طاقتور بھی ہیں اور کمزور بھی۔ نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ پھر نیکوں میں اعلیٰ درجہ کے نیک بھی ہیں۔ اور ادنیٰ درجہ کے بھی۔

اور نیک جماعتوں میں بھی یہی حال ہوتا ہے۔ کسی جماعت کے نیک ہونے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کا کثیر حصہ نیکی کی طرف مائل ہو۔ یہ نہیں کہ اس میں شامل ہونے والا کوئی کمزور نہیں۔

کمزور بھی ہوتے ہے۔ صحابہ میں بھی ہوئے۔ ان سے پہلے بھی تھے۔ اور بعد میں بھی ہوں گے اور دنیا میں کوئی جماعت ایسی نہیں۔ جس کے سارے کے سارے لوگ ولی اللہ ہوں۔ اگر کوئی یہ خیال رکھتا ہے تو واقعات کا انکار کرتا ہے۔ اور قدم قدم پر ٹھوکر کھاتا ہے۔

پس چونکہ سارے لوگ ولی اللہ نہیں۔ اس لئے کیا یہ کہہ دینے سے کہ سوال نہیں کرنا چاہیئے۔ سارے لوگ سوال کرنا چھوڑ دیں گے؟ ایک جماعت تو ایسی ہوگی جو چھوڑ دے گی۔ اور کہے گی ہم فاقے مرنا منظور کریں گے مگر سوال نہیں کریں گے۔ لیکن اور جماعت ہوگی جو ایسے مضبوط ایمان والی نہیں ہوگی۔ وہ کچھ مدت تک تو سوال نہ کرے گی۔ لیکن جب دیکھے گی کہ بچے فاقے مرنے لگے ہیں۔ اور عورت کے پاس ستر ڈھانکنے کے لئے بھی کپڑا نہیں تو کہے گی اب ہم سے برداشت نہیں ہو سکتی اور سوال کرے گی۔ ایسی صورت میں سوال نہ کرنا کس طرح ممکن ہے۔

اس کے لئے دو طریق ہیں اور دو طاقتیں ہیں جو ملکر جب تک کوشش نہ کریں سوال نہیں مٹ سکتا۔ ایک طاقت تو وہ ہے۔ جو حاکم طاقت ہے۔ اور انتظام کی بات خدا نے اس کے سپرد کی ہے۔ اور ایک وہ جو افراد ہیں۔ اور جن کے متعلق انتظام کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں مل کر مٹانا چاہیں تو رسم سوال مٹ سکتی ہے۔ منتظم جماعت سے مراد مثلاً ناظر امور عامہ اور ناظر بیت المال ہیں۔ اور ہر وہ شخص جس کو خدا نے علم دیا ہے۔ وہ دوسروں کو وعظ کرے اور بتائے کہ سوال کرنا بہت بری چیز ہے۔ واعظ اپنے وعظ میں۔ لیکچرار اپنے لیکچر میں۔ مدرس اپنے شاگردوں کو۔ افسر اپنے ماتحتوں کو۔ نگران ان لوگوں کو جن پر اس کی نگرانی ہو۔ مرد اپنے بیوی بچوں کو اور بیویاں اپنی اولاد کو بتائیں۔ اور ذہن نشین کرائیں کہ سوال کرنا ایک بری چیز ہے۔ یہ بات حکومت کے ساتھ تعلق رکھتی ہے یعنی ہر رنگ کی حکومت۔ خواہ وہ سیاسی ہو یا علمی یا تمدنی جسے حاصل ہو وہ سمجھائے۔ کہ سوال کرنا بہت بری اور بے غیرتی کی علامت ہے۔ مگر اس سمجھانے کے ساتھ خدا تعالیٰ کے قانون کو توڑا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ جنہیں فاقہ کی نوبت آتی ہے۔ جن کے پاس پہننے کو کپڑا نہیں ہوتا ایسے لوگ ہیں۔ اور ہوتے رہیں گے۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں کیا کیا جائے؟

اس کے لئے یہ ہونا چاہیئے کہ ہم اپنے بھائیوں اور ساتھ والوں کی ضرورت کو دیکھ کر اس کی اطلاع ان لوگوں تک پہنچائیں۔ جو انتظام کر سکتے ہیں۔ مثلاً دار العلوم میں جو لوگ رہتے ہیں۔ ان کا کام ہے کہ اگر ان کے محلّہ میں کسی کی حالت فاقہ کشی تک پہنچ گئی ہے تو وہ اس بات کو فاقہ کش پر نہ چھوڑیں کہ وہ اپنی حالت دوسروں کے سامنے پیش کرکے سوال کرے۔ بلکہ وہ خود اس کی حالت کو دیکھیں۔ اور منتظمین کو اطلاع دیں کہ ہمارے ہمسایہ میں فلاں شخص ہے۔ جس کو فلاں ضرورت ہے۔ اس کی حالت فاقہ کشی تک پہنچ گئی ہے یا وہ ننگا ہے۔ اور مستحق ہے کہ بھائی اس کی مدد کریں۔

گویا وہ لوگ جن کو مشکلات پیش آئیں۔ ان کو اپنی مشکلات پیش کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ بلکہ ان کی مشکلات پیش کرنے کی ذمہ داری دوسرے اپنے سر لے لیں۔ اور خلیفہ یا اس کے نائب یا اور جماعتوں میں جو کام کرنے والے ہیں۔ ان کے پاس پہنچائیں۔ ہر شخص دیکھتا رہے کہ کسی کو کیا تکلیف ہے۔ جس کا دور کرنا ضروری ہے۔

ان تکلیفوں میں سے اصل یہی ہیں کہ کھانا نہ ملنا۔ دوا نہ ملنا۔ مکان نہ ہونا۔ اور کپڑا نہ مل سکنا یہ ایسی تکالیف ہیں۔ جن کا دور کرنا فرض رکھا گیا ہے۔ ان کا انتظام کرنا خدا تعالیٰ نے ضروری قرار دیا ہے جو شخص کمانے کے ناقابل ہے۔ دوائی حاصل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ رہنے کے لئے اس کے پاس مکان نہیں ہے یا کپڑا نہیں ہے تو جماعت کا فرض ہے کہ اس کی مدد کرے اور ایسا انتظام کر دے کہ وہ پیٹ بھر سکے۔ یا ستر ڈھانک سکے یا سر چھپا سکے۔ یا دوائی پا سکے۔

یہ ذمہ داری اسلام سب پر رکھتا ہے۔ اور گو یہ فرض کفایہ ہے مگر ہے فرض۔ جیسا کہ جنازہ فرض کفایہ ہے۔ اگر کوئی مرجاتا ہے تو یہ ضروری نہیں۔ کہ تم سب اس کے جنازہ پر جاؤ۔ لیکن اگر تم میں سے کوئی بھی نہیں جاتا۔ تو سب گنہگار ہونگے۔ اسی طرح اگر کسی کے پاس کپڑا نہیں۔ مکان نہیں۔ دوائی نہیں۔ تو جماعت کا فرض ہے کہ اس کا انتظام کرے۔ لیکن ہر شخص کا علیحدہ علیحدہ یہ فرض نہیں۔ بلکہ سب پر ہے۔ اور اگر جماعت انتظام نہ کرے گی تب سب گناہ گار ہونگے۔ اور اگر ایک بھی کر دے گا۔ تو کوئی گناہ گار نہیں ہوگا۔ اس کے لئے اسلام نے ایک حصہ زکوٰۃ کا رکھا ہے۔

اگر یہ انتظام قائم ہو جائے۔ تو سوال کرنا اٹھ جاتا ہے۔ اور جب کوئی شخص دیکھے گا کہ ایک شخص فاقہ سے ہے۔ مگر سوال نہیں کرتا۔ تو وہ کہے گا۔ میں پیٹ بھر کے کھانے کے بعد اچھی روٹی کے لئے سوال کروں۔ تو میرے لئے شرم کی بات ہے اسی طرح جب دیکھا جائے گا کہ ایک بے چارہ ستر ڈھانکنے سے بھی عاری ہے۔ اور پیوند لگا لگا کر ڈھانکتا ہے۔ تو کہے گا مجھے شرم نہیں آتی کہ میں لٹھے، ململ کے لئے سوال کرتا ہوں۔ اور موٹا کپڑا پہننے پر صبر نہیں کرتا۔

تو سوال کے مٹانے کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ جن کو سوال کی حاجت ہو۔ ان کی حاجت کو دوسرے محسوس کریں۔ اور اس کے پورا کرانے کا انتظام کریں۔ اگر یہ بات ہو جائے۔ تو سوال کرنے کی عادت خود بخود مٹ جائے گی۔

اب ہمارے پاس بیسیوں درخواستیں آتی ہیں کہ یہ ضرورت ہے یہ حاجت ہے۔ اسے پورا کیا جائے۔ مثلاً کئی طالب علم لکھتے ہیں۔ کہ انہیں فلاں چیز کی ضرورت ہے۔ وہ دی جائے۔ لیکن اگر افسر دیکھ لے کہ فلاں محتاج ہے۔ اور اسے فلاں چیز کی ضرورت ہے۔ جس کا علم آسانی سے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جب اس کے پاس کاپی یا پنسل نہ ہوگی تو معلوم ہو جائے گا۔ کہ اس کی اسے ضرورت

ہے۔ اور اس کے پاس نہیں ہے۔ ایک لڑکا فیس نہیں لاتا۔ جب پوچھا جائے گا۔ تو کہے گا۔ ہے نہیں۔ اس طرح ان کی حالت کا پتہ لگ سکتا ہے۔ اگر افسر اس ذمہ داری کو سمجھے کہ لڑکوں کی ضروریات کا خیال رکھنا اس کا فرض ہے۔ اور وہ آگے ان کے پاس پہنچائے جو انتظام کر سکتے ہیں۔ اور وہ اپنے طور پر تحقیقات کر رہے ہوں۔ کہ ضرورت مند فریب تو نہیں کر رہا۔ بلکہ اسے فی الواقع ضرورت ہے۔ تو وہ ضرورت کے پورا کرنے کا خود انتظام کر دیں گے۔ اور ضرورت مند کو کہنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ اور نہ انہیں سوال کی عادت پڑے گی۔

ان ضروریات سے میری مراد کھانا' پینا' دوائیاں اور ایک حد تک مکان بھی ہے۔ اور انسانیت کے قیام کے لئے لباس اور ایک حصہ مکان کا ہے۔ مکان دونوں صورتوں میں شامل ہے۔ انسانیت کے قیام کے لئے بھی اور زندگی کے قیام کے لئے بھی۔ وہ عورت جو جنگل میں بیٹھی ہو۔ محفوظ نہیں ہوتی۔ اور جو ننگی ہو۔ وہ بھی انسانیت کو قائم نہیں رکھ سکتی۔ تو جس طرح مذہب کا قائم رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح حیات کا قائم رکھنا بھی ضروری ہے۔ اور جہاں ان دونوں کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو۔ اور ان کے قیام کے لئے کسی چیز کی ضرورت ہو اس کا انتظام کرنا دوسروں کا فرض ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ کہا جائے کہ فلاں جو کھدر پہنتا ہے اسے بانات کی کی ضرورت ہے۔ یا فلاں سادہ خوراک کھاتا ہے اس لئے اعلیٰ خوراک کی ضرورت ہے۔ بلکہ ضروریات سے مطلب ان چیزوں سے ہے۔ جو انسانیت یا زندگی کے قیام سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں مدد کرنا ضروری ہے۔ اور جو چیزیں تعیش سے تعلق رکھتی ہیں انہیں اس پر چھوڑ دو کہ اتنی قربانی وہ کرے۔

پس اگر ان ذمہ داریوں کو سمجھ لو تو سوال کرنا مٹ جائے گا۔ اور سوال کرنے کی عادت کے مٹنے سے قناعت صحیحہ حاصل ہو جائے گی اور اس کے نتیجہ میں تمہیں وہ اطمینان حاصل ہوگا۔ کہ دنیا تم پر رشک کرے گی۔ اور وہی حالت ہوگی۔ کہ **ربما یودالذین کفروا لو کانوا مسلمین** (الحجر : ۳) لوگ خواہش کریں گے۔ کہ کاش ہم بھی احمدی ہوتے۔ اور ہمیں بھی یہ اطمینان حاصل ہوتا۔

(الفضل ۵ر دسمبر ۱۹۲۱ء)

❁ ❁ ❁

۱۔ **تاریخ الخلفاء للسیوطی** حالات حضرت عثمان بن عفانؓ

۲۔ **مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ باب من لا تحل لہ المسالۃ ومن تحل لہ**

۳۔ الفاروق حصہ دوم ص ۹۳